سدھیر احمد* ڈاکٹر نذر عابد**

مجید امجد کی شاعری میں بصری پیکر تراشی

Abstract: *A poet usually depicts his feelings, observations and experiences in the form of different poetic images. These poetic images affect different human senses. Resultantly, these images help to comprehend the poetic thoughts of a poet. In this article, the authors brought forward a critical analysis of visual images found in the poetic works of famous Urdu poet, Majeed Amjad while giving relevant poetic examples from his different poems.*

کائنات کا ہر رنگ، ہر منظر اور ہر زاویہ اظہاری صورت میں انسانی آنکھ کی بصارت کا محتاج ہے۔ نفسیات دانوں کے مطابق تمام تر حسیات انسانی میں بصری حس سب پر غالب ہے۔ چونکہ انسان کائنات کا مشاہدہ حسی بصارت سے کرتا ہے اور پھر اشیاء کی تصاویر نظری زاویوں سے گزر کر ذہن انسانی پر منقش ہوتی ہیں، اسی لیے قوت بصارت تخیل کی برانگیختگی کا باعث بن کر رنگارنگ تصاویر تراشتی رہتی ہے۔ قوت باصرہ مظاہر حیات کو دیکھ کر نقوش مرتب کرتی ہے اور تخیل ان تصویروں کو ایک خاص ترتیب میں ڈھال کر بیانی صورت بخشتا ہے۔ انسانی حسیات میں حس باصرہ کی مرکزیت کے حوالے سے سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

> ”تصویریت انگریزی اصطلاح Picture sequence کا ترجمہ کیا ہے اس کا مفہوم جملًا یہ ہے کہ فن کار اصلاً قوت بصارت سے کام لے کر جن چیزوں کو ہم تک منتقل کرنا چاہتا ہے انھیں سلسلہ تصاویر کی شکل میں دیکھتا ہے۔ لوگ سینما کے کھیل کے لیے منظر نامہ (Scenario)لکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جذبات ہوں یا افکار، اچھا منظر نگار انھیں تصویروں کی صورت میں دیکھتا ہے اور اس کے لیے وہ استعارے سے بھی کام لیتا ہے لیکن زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ اس کے ادراک کی تمام قوتیں اور اس کے حواس کی تمام صلاحیتیں گویا بصارت کو اپنا محور بنالیتی ہیں اور اسی محور پر ہر چیز گھومتی ہے“۔ ۱

مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ انسان کی تمام تر حسیات میں سے باصرہ سب سے منفرد اور متحرک حس ہوتی ہے، جو چھوٹے چھوٹے نقوش سطحِ تخیل پر ابھار کر پیکر تشکیل دیتی ہے۔ اسی لئے بصری تمثال کو دیگر تمام حسیات پر فوقیت حاصل ہے۔

* پی۔ ایچ ڈی سکالر، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

** صدر شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

مجید امجد کا مشاہدہ انتہائی عمیق اور مدرکاتی کیفیت کا حامل ہے۔ ان کے ہاں مناظر و مظاہر حیات کی تصویر کشی کا بصری پہلو قدرے نمایاں ہے۔ خارج بینی سے دروں بینی کے سفر میں وہ زندگی کے مختلف امکانات کو تمثالی صورتوں میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ان کی نظروں سے کوئی پہلو اوجھل نہیں ہو پاتا اور وہ مجرد و غیر مجرد اشیاء کی چلتی پھرتی، جیتی جاگتی تصاویر مرتب کر دیتے ہیں۔ مجید امجد کے یہاں بصری امیجری کے حوالے سے ڈاکٹر سید عامر سہیل لکھتے ہیں:

> "مظاہر کی تصویر کشی میں وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مظاہر کا انتخاب کرتے ہیں۔ یہاں ان کے بصری پیکر زیادہ ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ وہ روشنی، اجالے، اندھیرے اور رنگ کے مختلف امکانات کو پیش کرتے ہیں"۔ ۲

مجید امجد ایک فلسفی کی حیثیت سے مناظر فطرت اور مظاہر حیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس عمل کے دوران ماحول کی تصویر بندی کے ساتھ ساتھ ان کے جذبات واحساسات بھی مجسم صورتوں میں ڈھلتے ہیں اور جہاں بینی کا یہ عمل ان کے تخلیقی شعور کو جلا بخشتے ہوئے ان کے پیکروں کو فکری اعتبار سے بلند کرتا ہے۔

مجید امجد کے ہاں مناظر فطرت اور مظاہر حیات کی تصویر کشی میں لفظوں سے تصویروں کی تشکیل کا انداز بہت نمایاں ہے۔ وہ پیش منظر اور پس منظر دونوں کیفیات کو اپنے مشاہدے کی آمیختگی سے اس البم کا حصہ بناتے ہیں اور چھوٹے سے چھوٹے جز کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شعری پیکر آب و گل کے پیکروں سے کسی طرح بھی کم دکھائی نہیں دیتے۔ ایک نظم میں مناظر فطرت کے نظاروں کی یہ رنگا رنگی کتنی دلفریب ہے کہ شاعر جنگل کی بیکراں فضا سے بصری تصویریں بنا کر ان میں حرکت کا احساس بھر دیتا ہے۔

یہ بیکراں فضائیں جہاں اپنے چہرے سے
پردہ الٹ دیا ہے نمود حیات نے
شاداب مرغزار کہ دیکھی ہے جس جگہ
اپنے نمو کی آخری حد ڈال پات نے
گنجان جھنڈ جن کے تلے کہنہ سال دھوپ
آئی کبھی نہ سوت شعاعوں کے کاتنے۔ ۳

بنیادی طور پر مجید امجد نظم کے ان اشعار میں جنگل کی بے کراں وسعتوں اور سرسبز و شاداب منظر ابھارنا چاہتے ہیں اور اس ضمن میں جو پیکر تراشے گئے ہیں وہ بصری نوعیت کے ہیں۔ بیکراں فضائیں بصری سطح پر ہجومی تمثال ہے۔ نمود حیات کا اپنے چہرے سے پردہ الٹنا، ڈال پات کا اپنی نمو کو دیکھنا اور کہنہ سال دھوپ کا شعاعوں کا سوت کاتنا مجرد بصری تمثال ہیں۔ شاداب مرغزار، ڈال پات اور درختوں کا

گنجان جھنڈ اپنی طراوت کی وجہ سے نظر کی تازگی کا باعث ہیں۔ بصری سطح پر قاری ان درختوں کی اوٹ میں دھوپ کی آنکھ مچولی سے لطف اندوز ہوتا ہے اور مناظر فطرت کی یہ نیرنگیاں اس کے حواس پر خوشگوار اثرات مرتب کرتی ہیں۔

مجید امجد مناظر فطرت کو ایک خاص نظر سے دیکھتے ہیں اور پھر احساسات کی یہ تپش داخلی کیفیات کی صورت میں ان مناظر میں منعکس ہو جاتی ہے۔ اس احساس کی حامل یہ نظم بصری تمثالوں کے کتنے دلکش نمونے لیے ہوئے ہے۔

تنگ پگڈنڈی سرِ کہسار بل کھاتی ہوئی
نیچے دونوں سمت، گہرے غار، منہ کھولے ہوئے
آگے ڈھلوانوں کے پار اک تیز موڑ اور اس جگہ
اک فرشتے کی طرح نورانی پر تولے ہوئے
جھک پڑا ہے آکے رستے میں کوئی نخل بلند
تھام کر جس کو گزر جاتے ہیں آسانی کے ساتھ
موڑ پر سے، ڈگمگاتے رہرووں کے قافلے۔۴

ان اشعار میں بصری حس زیادہ متحرک اور جاندار ہے، تنگ پگڈنڈی سر کہسار بل کھاتی ہوئی بظاہر بصری تمثال کے طور پر جلوہ گر ہے مگر یہ زندگی کا استعارہ ہے، دونوں طرف غاروں کی موجودگی سکونی بصری تمثال کی وضاحت کرتی ہے۔ نخل یہاں علامت کے طور پر قاری کی بصارت کو مرتکز کرتا ہے اور دوسروں کو سہارا دینے والے عظیم انسانوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ فرشتے کے نورانی پروں سے درخت کی شاخوں کی تشبیہ شاعرانہ تخیل کا کمال ہے جبکہ مسافروں کا اس درخت کی شاخوں کو تھام کر گزر جانا ایک متحرک بصری تمثال کی صورت ہے۔ منفرد اسلوب کی حامل تمثالوں کے یہ مرقعے کسی بھی صورت مرصع سازی سے کم نہیں۔

نگاہ میں بسا بسا نگاہ سے بچا بچا
رکا رکا، کھچا کھچا، یہ کون میرے سات ہے
چراغ بجھ چکے، پتنگے جل چکے، سحر ہوئی
مگر ابھی مری جدائیوں کی رات، رات ہے۔۵

ان اشعار میں ساکن و متحرک تمثالیں بصری سطح پر داخلی احساسات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ تکرار لفظی ان پیکروں کو ایک نیا روپ عطا کرتے ہوئے زوریا ں کا بھی سبب بنتی ہے اور تخیلی سطح پر نقش ہونے والی یہ ہجومی تمثالیں جمالیاتی روپ میں فراق یار کے پیکر میں بھی متشکل ہوتی ہیں۔ نگاہ میں بسا بسا، نگاہ سے بچا بچا محسوساتی سطح پر محبوب اور کیفیات محبت کے تاثر کو اجاگر کرتا ہے۔ دوسرے مصرع میں

"رکا رکا کھچا کھچا" کی تکرار تصور محبوب کا سکونی امیج ہے۔ یادوں کا رنگ وارداتِ محبت کی اس تصویر کو مزید ابھارنے کا سبب بنتا ہے اور قاری بھی تاثر کے سحر میں لمحہ بھر کے لیے گرفتار ہو جاتا ہے۔ چراغوں کا بجھنا، پتنگے کا جلنا اور سحر کا نمودار ہونا آرائشی تمثال کی صورت میں باصرہ نوازی کا سبب بنتی ہے۔ حقیقی تصویر کے شیڈز جدائیوں کی رات کی صورت میں کچھ مدہم پڑ جاتے ہیں مگر داخلی کیفیات کی تاثیر باصرہ کو تحریک دیتے ہوئے نم آلود دھندلی یا منتشر تمثال کی تشکیل کرتی ہے۔

مجید امجد نے چھوٹی چھوٹی تمثالوں کو جمع کر کے ایک پورے منظر کی مکمل تصویر ابھاری ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ مجید امجد کے فطرت سے لگاؤ اور خارجی تصویر کشی کے بارے میں قرۃ العین طاہرہ لکھتی ہیں:

> "مجید امجد لفظوں کے وہ مصور ہیں جو فطرت کے حسن کو کبھی فراموش نہ کر سکے۔ قدرت کے مناظر کی تصویر کشی ان کے لہو میں رچی بسی ہے۔ فطرت سے شعوریا لاشعوری طور پر وہ ایک طرح سے وابستہ ہیں۔ ان کی نظموں میں برتے جانے والے الفاظ، تشبیہ، علامات، استعارے، نظموں کے عنوانات، موضوعات سبھی فطرت کے قریب ترین ہیں"۔٦

لفظوں سے تصویریں سوچنے کا فن مجید امجد کے عصری، سماجی اور معاشرتی صورت واقعہ کی تشکیل بندی کرتا ہے۔ ان کا ہر خیال تصویری صورت میں متشکل ہوتا ہے اور وہ اسے پوری جزئیات سمیت تصویری قالب میں ڈھال لیتے ہیں۔ اس شعر میں کس خوبصورتی سے خزاں و بہار کی کیفیتوں کی عکاسی کی گئی ہے۔

بے برگ شجر، گردوں کی طرف پھیلائیں لہکتے ہات
پھولوں سے بھری ڈھلوان پہ سوکھے پات کریں بسرام۔٧

مجید امجد کمال کی فنی مہارت سے بے برگ موسم کی تصویر کشی کرتے ہیں کہ خزاں کا زرد موسم اپنی تمام تر ویرانیوں اور وحشتوں کے ساتھ پس منظر میں رہتے ہوئے ہر چیز پر ماتمی سوگ طاری کر دیتا ہے۔ پہلے مصرعے میں بے برگ درختوں کا آسمان کیطرف ہمکتے ہاتھ پھیلانا بصری سطح پر اس غیر مرئی منظر کی عمدہ تصویر کشی ہے۔ قاری کے ذہن میں دست بہ دعا شخص کی مماثلتی تصویر ابھرتی ہے جبکہ دوسرا مصرعہ قسامی کیفیت کا حامل ہوتے ہوئے جامد بصری امیج ابھارتا ہے۔ سوکھے پتوں کا ڈھلوان پر بسیرا ایک طرف ویرانی کے امیج کو جنم دیتا ہے تو دوسری طرف پھولوں سے بھری ڈھلوان کی صورت میں قاری کو بہاری کیفیات کے سحر میں گرفتار کر لیتا ہے۔ اسی طرح ایک اور شعر میں ہری بھری فصلوں کی تصویریں کس خوبصورتی سے بنائی گئی ہیں۔

آنے والی مست رتوں کے ہونٹوں پر مسکان
جھکتے ڈنٹھل، پکتے بالے، دھوپ رچے کھلیان۔٨

"مست رتوں کے ہونٹوں پر مسکان" بصری سطح پر بہار کی ساری کیفیتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے اور یہ فطری منظر قاری کو دعوتِ نظارا دیتا ہے۔ "جھکتے ڈنٹھل"، "پکتے بالے" اور "دھوپ رچے کھلیان" بصری پیکروں کی صورت میں قاری کو خوشحالی کی نوید دیتے ہیں اور یہ تحرک آمیز تمثال دیہاتی مناظر اور کھیت کھلیانوں کی عمدہ تصویر کشی سے عبارت ہیں۔ ایک اور نظم کے مصرعوں میں یہ تصویر کشی کتنی متحرک اور دلکش ہے:

مست چرواہا، چراگاہ کی ایک چوٹی سے
جب اترتا ہے تو زیتون کی لانبی سونٹی
کسی جلتی ہوئی بدلی میں اٹک جاتی ہے۔۹

یہ مصرعے مصورانہ شاعری کا پرتاثیر نمونہ ہیں۔ شام کے وقت چرواہے کا اپنے ریوڑ کے ساتھ واپسی کا سفر حرکت آمیز تمثالوں میں ڈھلا ہوا ہے۔ اس سہانے منظر کی امیجری بصری حس کو طراوت بخشنے کا باعث ہے۔ سبز چراگاہ کا منظر دیہاتی حسن کی عکاسی ہے۔ "زیتون کی لانبی سونٹی" فوری تمثال کی صورت میں سامنے آتی ہے اور لفظ سونٹی مانوسیت کے لبادے میں اس ریوڑ کو ہانکنے کا سبب بنتی ہے جو تحرک آشنا بصری تمثال ہے۔ پہاڑ کی بلندی پر گھٹا کی تجسیم اور سونٹی کا جلتی ہوئی بدلی میں اٹکنے کا منظر بصری سطح پر شاعرانہ تخیل کی عطا ہے۔

مجید امجد زندگی اور احساس کے شاعر ہیں۔ ان کے ہاں کائناتی شعور ہر نظم میں واضح طور پر جھلکتا ہے۔ انھوں نے شاعری کے میدان میں اپنی سوچ کی آنچ سے نئی روایتوں کو استحکام بخشا ہے اور تجربات ومشاہدات اور کیفیات کی یہ حرارتیں ان کے کلام میں رچی بسی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ان کا غیر معمولی تخیل معمولی واقعات، مناظر، اشیا اور تجربات کو گرفت میں لاتا ہے اور اس دنیائے کبیر کے اندر کئی چھوٹی دنیاؤں کو بھی مشاہدات کا حصہ بناتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں:

> "مجید امجد اپنا مواد ان مناظر سے لیتا ہے اور ان چھوٹے چھوٹے ریزوں کو کام میں لاتا ہے جنھیں شاعر عام طور پر غیر ضروری اور غیر شاعرانہ سمجھ کر پھینک دیا کرتے ہیں۔ روزمرہ کے عام اور معمولی تجربات کو ان کی عقابی نظر اپنی گرفت میں لے کر فلسفے کی تہہ اس پر چڑھا دیتی ہے کہ نظمیں ہمیں اپنے محسوسات کے بہت قریب لیکن نئی معلوم ہوتی ہیں"۔ ۱۰

مجید امجد کے ہاں احساس کے نت نئے قرینے تمثال گری کے نئے رجحانات کو روشن کرتے ہیں۔ مجید امجد کی نظموں میں ان کی فکر اور تخیل کی پرواز بہت بلند ہے۔ وہ کسی معمولی منظر یا واقعہ سے ایسی گہری بات اخذ کر لیتے ہیں کہ جس کا عام آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا اور لفظوں کی معنویت قاری کو گہری سوچ میں ڈال دیتی ہے۔ ان کی نظموں کا بیشتر مواد مناظر فطرت سے اخذ شدہ ہے جہاں وہ نیچر سے دلی لگاؤ

کے باعث لفظوں سے تصویریں بنانے لگتے ہیں۔ ایک اور جگہ شاعر نے مناظر کی ایسی بصری تصویریں بنائی ہیں کہ ہر منظر متحرک سطح پر بصری تمثالوں کا بہترین نمونہ معلوم ہوتا ہے۔

یہ دھوپ جس کا مہین آنچل
ہوا سے مس ہے۔۔۔
رتوں کا رس ہے

تمام چاندی، جو نرم مٹی نے پھوٹتے بھور کی چٹکتی چنبیلیوں میں انڈیل دی ہے
تمام سونا جو پانیوں، ٹہنیوں، شگوفوں میں بہہ کے ان زرد سنگتروں سے ابل پڑا ہے ۔ ۱۱

نظم کے اس اقتباس کی پہلی سطر باصرہ کو متحرک کرتے ہوئے نسائی امیج ابھارتی ہے۔ دھوپ کے مہین آنچل کا ہوا سے مس ہونا تجریدی کیفیت کی تجسیم کا عمل ہے جو متحرک تمثال ہے۔ فنی سطح پر اس حرکت سے زندہ وجود کی حرکت کا احساس نمایاں ہے۔ یہاں سائنسی حقیقت شاعرانہ منطق میں ڈھلتی ہے اور شاعر زمین کے سونا چاندی کو پھولوں میں مرتکز دکھاتا ہے۔ پھوٹتے بھور، چٹکتی چنبیلیاں، نرم مٹی، پانی، ٹہنیاں اور شگوفے موسم بہار کی مکمل تصویر پیش کرتے ہیں۔ شاعر اپنے ساتھ ساتھ قاری کو بھی اس احساساتی کیفیت سے گزارتے ہیں۔ سونا اور چاندی کے متضاد الفاظ رنگت اور چمک کے ضمن میں تمثال تراشتے ہیں۔ چٹکتی کلیوں میں نرم مٹی کا چاندنی انڈیلنے کا عمل شفاف آرائشی سفید رنگ کا امیج تخلیق کرتا ہے جبکہ زمین سے سونے کی رنگت بھور اور سنگترے کی ٹہنیوں اور شگوفوں میں نفوذ کر کے سنہری رنگت کا امیج ابھارتی ہے اور یہ پکے ہوئے پھل باصرہ کو دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ پوری نظم نشاطیہ کیفیت اور حسی تمثالوں کی حامل ہے۔ فطرت کے حسن کا حسی ادراک محاکاتی صورت میں یہاں بصری تمثالوں میں ڈھلا ہوا ہے۔

اسی طرح کی چند تصویری جھلکیاں ان کی ایک اور نظم میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

گھنگھور گھٹاؤں کے نیچے
پیڑوں کی لچکیلی باہیں
کونپلوں کے کنگن پہنے
جھک جھک کر
جھیل کے پانی پر سے چننے آئی ہیں
پیلے پیلے پتے اور بھورے بھورے بادل۔ ۱۲

مجید امجد نے مناظر فطرت کی جو تصویریں ان مصرعوں میں بنائی ہیں وہ متحرک تجریدی تمثالوں کی صورت میں ہیں۔ پیڑوں کی لچکیلی باہوں کے توسط سے ایک متحرک بصری پیکر کو ابھارا گیا ہے۔ گھنگھور گھٹا کا امیج ذہن میں بارش کا منظر نقش کرتا ہے۔ کنگن اور باہوں کے تلازمے استعاراتی سطح پر مجسم نقش تخلیق کرتے ہیں۔ "جھک جھک کر" کی ترکیب سے ایسا امیج ابھرتا ہے جیسے کوئی انسان جھک کر فعالیت کے ساتھ کوئی چیز چنے یا اٹھائے۔ جھیل کے پانی سے پیلے پیلے پتے اور بادل چنا حسی و تصوراتی سطح پر بصری تمثال کی عمدہ مثال ہے جس میں شاعر کید اخلی کیفیات نے رنگ بھر دیا ہے اور بصری سطح پر قاری ان تمام حرکات و سکنات کو شدت کے ساتھ محسوس کر سکتا ہے۔

مجید امجد کے ہاں زندگی کے مختلف گوشوں، زاویوں اور سمتوں کو نگاہ کی گرفت میں لانے کا عمل اس مابعد الطبیعاتی رجحان پر دلالت کرتا ہے جو فکری، ذہنی اور روحانی عمل کے ارتقاء سے تحیّر کی فضا تخلیق کرتے ہوئے نئے جہانوں کی تلاش کا سفر جاری رکھتا ہے۔ ان کے ہاں لفظوں میں معنی و مفاہیم کے کئی کئی شیڈز نظر آتے ہیں اور ان کی تخلیق کردہ تصویری کائنات کو مزین کرتے ہیں۔ روزمرہ کے مشاہدات کی تصویریں مجید امجد کے ہاں ایک جگہ یوں ابھرتی ہیں:

کنواں چل رہا ہے! مگر کھیت سوکھے پڑے ہیں نہ فصلیں، نہ خرمن، نہ دانہ،
نہ شاخوں کی باہیں، نہ پھولوں کے مکھڑے، نہ کلیوں کے ماتھے، نہ رت کی جوانی
گزرتا ہے کیاروں کے پیاسے کناروں کو یوں چیرتا تیز، خوں رنگ، پانی
کہ جس طرح زخموں کی دکھتی تپکتی تہوں میں کسی نیشتر کی روانی۔۱۳

فکری ابلاغ اور علویت کے شہکاران اشعار میں کنواں ایک تہذیبی علامت کے طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے جو اپنے مخصوص انداز میں کائناتی و تہذیبی نظام کو ظاہر کرتا ہے۔ پہلا مصرع ہی قاری کو چونکا دیتا ہے کہ کنویں کی روانی کے باوجود کھیت سوکھے پڑے ہیں اور زندگی کا نشیب و فراز اسی کائناتی چکر یعنی وقت کا ہی مرہونِ منت ہے۔ اگلا منظر جزئیات سمیت اس فکری منظر کو ذہن کی سکرین پر نقش کرتا ہے کہ شاخوں کی باہیں، پھولوں کے مکھڑے، کلیوں کے ماتھے، نہ فصلیں، نہ خرمن، نہ دانہ اور نہ ہی رت پر جوانی کا سماں ہے۔ حبس زدہ موسم و ماحول اور خشک روی کیہیہ تصویریں امیجری کی عمدہ مثالیں ہیں۔ شاعر کا مشاہدہ اس قدر عمیق ہے کہ وہ ان دونوں کیفیات (خشک و تر) کو پوری شدت سے محسوس کرتا ہے۔ کہیں وہ پانی کی روانی سے پیاسے کناروں کی چیر پھاڑ اور خون رنگ پانی کی روانی سے حرکی بصری تمثال تخلیق کرتا ہے اور کبھی اس نشتر زنی کے باعث کھیتوں کے زخموں سے بہتا خون بھی محسوس کرتا ہے اور تجریدی بیان کے نئے پن سے احساسات کو جگا دیتا ہے۔ تشبیہ کے وسیلے سے تشکیل پانے والی یہ تمثال قاری و سامع کی حسیات کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے اور تہذیبی تناظرات میں تمثالوں کے عمدہ نمونے بھی تراشتی ہے۔

ایک اور نظم میں مجید امجد نے محنت کش پنواڑی کی زندگی کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

بوڑھا پنواڑی، اس کے بالوں میں مانگ ہے نیاری
آنکھوں میں جیون کی بجھتی اگنی کی چنگاری
نام کی اک ہٹی کے اندر بوسیدہ الماری
آگے پیتل کے تختے پر اس کی دنیا ساری
پان، کتھا، سگریٹ، تمباکو، چونا، لونگ، سپاری
عمر اس بوڑھے پنواڑی کی پان لگاتے گزری
چونا گھولتے، چھالیا کاٹتے، کتھ پگھلاتے گزری
سگریٹ کی خالی ڈبیوں کے محل سجاتے گزری
کتنے شرابی مشتریوں سے نین ملاتے گزری
چند کسیلے پتوں کی گتھی سلجھاتے گزری۔۱۴

نظم کے یہ اشعار ایک عام آدمی کے مسلسل زمانی کردار کی پر تاثیر اور منفرد تمثالوں پر مبنی ہیں۔ زمانوں کے تسلسل پر پھیلا ہوا یہ کردار ایک المیاتی امیج کی صورت میں متشکل ہوتا ہے۔ نظم کا پہلا مصرع ہی پنواڑی کے کردار کے خدوخال تراش کر ایک پورٹریٹ مرتب کر دیتا ہے جس میں بوڑھے پنواڑی کے بالوں کی مانگ واضح طور پر بصری حس کو متحرک کرتی ہے۔ دوسرا مصرع عمر رسیدگی اور زندگی کی امنگ کے ماند پڑ جانے کی تجریدی صورت ہے۔ اس کے بعد ہجومی تمثالوں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس میں برائے نام ہٹی کے اندر بوسیدہ الماری اور پیتل کے تختے پر سجی پنواڑی کی کل کائنات کی تصویریں انفرادیت کی حامل ہیں۔ قاری اس سارے منظر کو بصری سطح پر محسوس کرنے لگتا ہے جہاں تختے پر پان، کتھا، سگریٹ، تمباکو، چونا، لونگ، سپاری اور دوسرے لوازمات سکونی تمثالوں کی صورت میں دعوت نظارہ دیتے ہیں۔

اگلا بند پنواڑی کے پیشے کی تمثال سے شروع ہوتا ہے جس میں بصری سطح پر تحرک آمیز تصویریں ابھری ہیں۔ ان تحرک آشنا لفظی مرقعوں میں پان لگانا، چونا گھولنا، چھالیا کاٹنا، کتھ پگھلانا، سگریٹ کی خالی ڈبیوں کے محل بنانا، شرابی مشتریوں سے نین ملانا اور کسیلے پتوں کی گتھی سلجھانا جیسے امیج شامل ہیں جو نسل در نسل دکھوں کے تسلسل کی المیاتی و علامتی تصویر اجاگر کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ شاعر کے زرخیز تخیل اور منفرد انداز بیاں کی بدولت معاشرتی زندگی کی مکمل تصویر لفظی پیکروں میں ڈھل جاتی ہے اور معنوی سطح پر موضوع کا مکمل ابلاغ کرتی ہے۔

بطورِ وصف نگار شاعر ایک نظم میں زندگی، تہذیبِ انسانی اور اس کے متعلقات کی تصویریں یوں اجاگر کرتے ہیں:

بہتی راوی تیرے تٹ پر۔کھیت اور پھول اور پھل
تین ہزار برس بوڑھی تہذیبوں کی چھل بل!
دو بیلوں کی جیوٹ جوڑی، اک ہالی، اک ہل!
سینہ سنگ میں بسنے والے خداؤں کے فرمان
مٹی کاٹے، مٹی چاٹے، ہل کی انی کامان
آگ میں جلتا پنجر ہالی کاہے کو انسان
کون مٹائے اس کے ماتھے سے یہ دکھوں کی ریکھ
ہل کو کھینچنے والے جنوروں جیسے اس کے لیکھ
تپتی دھوپ میں تین بیل ہیں تین بیل ہیں، دیکھ ۔۱۵

پہلا منظر راوی کے بہتے پانی اور اس کے کنارے لہلہاتے کھیتوں، پھولوں اور پھلوں کے حسین مناظر کی متحرک تصاویر پر مبنی ہے جو بصری سطح پر قاری کی جمالیاتی حس کو تحریک دیتے ہوئے اسے بعینہ ان مناظر سے لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ گویا نباتاتی حیات کے تین مراحل کی یہ ایک مکمل تصویر ہے۔

اگلے منظر میں دو بیل، ایک ہالی اور ایک ہل دیہاتی منظر کے ساتھ ساتھ ہڑپائی تہذیب کے تین ہزار سالہ دور کی عکاسی کرتے ہیں۔ دیہاتی مناظر اور تہذیب کی یہ زندہ تصویریں مل کر حیاتِ انسانی کی ایک مکمل تصویر تشکیل دیتی ہیں۔ دوسرے بند میں سینہ سنگ کی خوبصورت ترکیب مجرد کیفیات کی مجسم صورت میں وقوع پذیر ہے اور اس سینہ سنگ میں بسنے والے خداؤں کے فرمان سے استعاراتی صورت میں جاگیر دارانہ طبقہ کے ظلم و جبر اور غریب کسان کے استحصال کا مکمل امیج متشکل ہوتا ہے۔

ہل کی انی کا مٹی کاٹنا، مٹی چاٹنا اور کڑکتی دھوپ میں ہالی کے پنجر کا جلنا جہاں کھیتی باڑی کا منظر نقش کرتا ہے وہیں غریب کسان کی مفلوک الحالی اور مشقت کی متحرک تصاویر بھی قاری کی حسیات کو جھنجھوڑنے کا باعث بنتی ہیں۔ آخری بند نظم کا کلائمکس ہے جہاں شاعر نے اساطیری انداز میں کائناتی عمل کی تفہیم کے لیے بیل کو بطور علامت استعمال کیا ہے اور تپتی دھوپ میں ہل کھینچنے والے دو بیلوں کے ساتھ تیسرے بیل یعنی انسان کو بھی اپنے ماتھے سے دکھوں کی ریکھائیں مٹانے میں سرگرداں دکھایا ہے۔ یہ متحرک تمثالیں قاری کو پراسرار یت سے دوچار کرتی ہیں اور نشاط و ملال کا تصور اجاگر کرتی ہیں۔ مجید امجد کے ہاں مقامی لینڈ سکیپ اور واقعات و مناظر کی تصاویر بھی اس ہنر مندی سے تراشی گئی ہیں کہ ان میں ترفع اور عظمت کا احساس نمایاں ہے اور ان کی تمثالیں ان کی فنی و فکری جودت کے ساتھ ساتھ حیرت و استعجاب کے عناصر سے بھی معمور ہیں۔

مجید امجد ایک ایسے مصور ہیں جو لفظی تصویر گری میں فطرت اور حسن فطرت سے دانستہ طور پر گریز پائی اختیار نہیں کرتے۔ وہ اپنی مشاہداتی قوت، جذبے اور تخیل کی آمیزش سے بصری سطح پر ایسے تمثالی مرقعے تشکیل دیتے ہیں جو نہ صرف معنوی تاثیر و ترسیل کا ذریعہ ٹھہرتے ہیں بلکہ زندگی سے بھرپور ان کے لفظی پیکر امیجری کی روایت میں ایک خوشگوار اضافہ بھی ثابت ہوتے ہیں۔

بحیثیت مجموعی مجید امجد کی شاعری میں داخلی و خارجی زندگی کی آمیختہ متاثر کن جذباتی حرارت پیدا کرتی ہے جس کے باعث ان کے تحیر آمیز پیکروں میں تازہ کاری کا غالب احساس تخلیقی سطح پر ان کی انفرادیت کا حامل ٹھہرتا ہے۔ ان کے ہاں تصویری انداز میں سوچنے کا رجحان غالب ہے۔ وہ مناظر، کیفیات، جذبات، مشاہدات اور حسیاتی تاثرات کے آمیزہ سے باصرہ نواز حرکی و سکونی تمثالیں تراشتے ہیں۔ ان کا ہاں شعوری و لاشعوری تمثالوں کا ایک جہان آباد ہے جو بصری سطح پر انسانی زندگی کے مختلف کرداروں، تہذیبی حوالوں، اساطیری رجحانات، استحصالی رویّوں اور جبر و قدر کے مجسم پیکروں سے عبارت ہے۔

حوالہ جات:۔

۱۔ عابد علی عابد، سید، "اسلوب" مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۹۶ء، ص ۲۱۵-۲۱۶

۲۔ عامر سہیل سید، ڈاکٹر، "مجید امجد۔ نقش گر ناتمام" پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۳۴۴

۳۔ خواجہ محمد ذکریا، ڈاکٹر، مرتبہ "کلیاتِ مجید امجد"، الحمد پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۷۲

۴۔ ایضاً، ص ۱۰۲

۵۔ ایضاً، ص ۶۸

۶۔ قراۃ العین طاہر، "مجید امجد کا لینڈ اسکیپ" مشمولہ "مجید امجد ایک مطالعہ" مرتبہ حکمت ادیب، ادبی اکیڈمی جھنگ، ۱۹۹۴ء، ص ۵۵۱

۷۔ خواجہ محمد زکریا، مرتبہ کلیات امجد مجید، ص ۱۳۸

۸۔ ایضاً، ص ۱۴۸

۹۔ ایضاً، ص ۱۶۰

۱۰۔ وحید قریشی، بحوالہ آسیہ رانی، "مجید امجد: ایک باریک بین شاعر" مشمولہ ماہنامہ نمود حرف (مجید امجد صدی نمبر)، لاہور، جلد ۱، شمارہ نمبر ۶، ۲۰۱۴ء، ص ۲۱۷

۱۱۔ خواجہ محمد زکریا، مرتبہ، "کلیات مجید امجد"، ص ۳۸۳

۱۲۔ ایضاً، ص ۵۳۲ ۱۳۔ ایضاً، ص ۵۹ ۱۴۔ ایضاً، ص ۸۸

۱۵۔ ایضاً، ص ۳۳۶

☆☆☆☆☆